تحقیق و تدوین

اقبالؒ ایران کی درسی کُتب میں

ڈاکٹر محمد ریاض

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

موجودہ مقالے کا محرک تہران سے شائع ہونے والا بڑی تقطیع میں "اقبال لاہوری در کتابہائی درسی جمہوری اسلامی ایران" کے عنوان سے ایک کتابچہ ہے جو اہلِ پاکستان کے لیے لکھا گیا اور ۱۹۸۴ء کے خزاں کے دوران (ستمبر تا نومبر) شائع کیا گیا۔ اس میں ایران کے ہائی سکولوں (کلاس ششم تا دوازدھم) میں عمومی اور خصوصی مضامین میں علامہ اقبال کے احوال و آثار کی درسی کتب میں شمولیت کا کوائف نامہ مندرج ہے۔ یہ فروری ۱۹۷۹ء میں برپا ہونے والے اسلامی جمہوری انقلاب کا بدیہی نتیجہ ہے کہ ایرانی نونہال اپنی درسی کتب میں علامہ اقبال کے احوال و آثار سے آگاہ ہو رہے ہیں جبکہ اس سے قبل حضرت علامہ کے فکر و فن سے محدود دانشور ہی آگاہ تھے۔ اب دعائے "زبورِ عجم" کو گویا شرفِ قبول مل گیا کہ:

سلیم، مرا بجوئے تنک مایہ مپیچ
جولانگہے بوادی و کوہ و کمر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار
تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ

اور

غزل سرائے و نواہائے رفتہ باز آور
بایں فسردہ دلاں حرفِ دل نواز آور
کنشت و کعبہ و بتخانہ و کلیسا را
ہزار فتنہ ازاں چشمِ نیم باز آور

زبادۂ کہ بخاکِ من آتشے آمیخت
بپیالۂ بجوانانِ نو نیاز آور
نئے کہ دل زنوایش بسینہ می رقصد
مئے کہ شیشۂ جاں را دھد گداز آور
بہ نیستانِ عجم، بادِ صبحدم تیز است
شرارۂ کہ فرو می چکد ساز آور [1]

ایران کا میٹرک ہمارے اں کے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ دونوں کے برابر ہے (۱۲ - تدریسی سال) ثانوی اور اعلےٰ ثانوی تعلیم سات سالوں پر محیط ہے (چھٹی سے بارھویں جماعت)۔ پہلے تین سال عام تعلیم کے ہیں (دورۂ راھنمائی) اور اس کے بعد کے چار سال مخصوص شعبے (علوم یا فنون) میں آموزش و پرورش کی خاطر۔ اس مختصر وضاحت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ہم زیر بحث موضوع کی طرف آتے ہیں۔

کتابچے کا تعارف غلام علی حداد عادل نے تحریر کیا ہے جو وزارتِ تعلیم کے شعبۂ تحقیق اور منصوبہ بندی کے چیئرمین ہیں انھوں نے ایران و پاکستان کی دوستی اور علامہ اقبال کی عظمت کے آئینہ دار اشعار سے اپنے تعارف نامے کا آغاز کیا۔ ان کی نگارش اردو میں منتقل ہوگی البتہ اشعار بے ترجمہ ہی نقل کیے جا رہے ہیں:

تا جہان باقی است، تا خورشید و مہ تابندہ است
بینِ پاکستان و ایران دوستی پایندہ است
رشتۂ پیوندِ ما حبل المتین دینِ ماست
زاں سبب دلہائے ما از مہرہم آگندہ است
آفریں بر خلقِ پاکستان کہ از اقبالِ خویش
چشمۂ اندیشہ دارد کہ خوش زایندہ است
چون حدیثِ عاشقی را فارسی باید سرود
جامۂ لفظِ دری بر سعۃ وے زیبندہ است
مرگ را در حضرت اقبال ہرگز راہ
تا زبانِ فارسی زندہ است اوہم زندہ است

گزشتہ صدی کے آخر میں قدیم فارسی ادب کی تاریخ میں ایک عظیم نام کا اضافہ ہوا جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ پاکستان کے زعیم شاعر علامہ محمد اقبالؒ کا نام ہے۔ اقبال کو صرف فارسی زبان والے ایرانی یا ان کے ہم وطن پاکستانی ہی یاد نہ رکھیں

گے بلکہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی زندہ رہیں گے۔ ایسا اس لیے ہے کہ ان کے معنوی افکار کا سرچشمہ قرآن مجید اور فکرِ اسلامی ہے اور یہ سرچشمہ کبھی خشک نہ ہوگا اور یہ فکر کبھی کہنگی اور فرسودگی کا شکار نہ ہوگی:

بعد از وفات تربتِ ما در زمین مجوی
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

(حافظ)

اگر ہم یہ کہیں کہ اقبال اپنے اکثر معاصرین کے مقابلے میں اس نسل سے زیادہ قریب ہیں جو ان کے بعد وجود میں آئی ہے، تو یہ بات بے محل نہیں کیونکہ موجودہ نسل بیداری اور علم و آگاہی کے ذریعے اس راہ پر زیادہ سرگرمی سے گامزن ہے جو اقبال نے دکھائی تھی اور جس راہ کی انھیں آرزو تھی۔ اقبال صاحبِ فکر شاعر ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ شاعر تھے مگر صاحبِ فکر و دانش۔ صرف ادبی صنعتوں کے دلدادہ شاعر حباب کی طرح سطحِ آب پر آتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ وہ تیزی سے فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ لطافتِ طبع اور ذوقِ سلیم سے محروم صاحبانِ فکر کا بھی یہی حال ہے۔ عام لوگ ان سے متاثر نہیں ہوتے کیونکہ ان مردم بیزاروں سے لوگ بھی بیزاری کے طالب ہونے لگتے ہیں۔ ادب و ذوق کی صفات سے متصف لوگوں کا جمال و جلال ہی پُرکشش ہوتا ہے۔ یہ لوگ عوام کے قلوب میں گھر کرتے ہیں، طویل عرصے تک فراموش نہیں ہوتے، ہر نسل اور ہر عصر کے ہم زبان ہوتے ہیں اور تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ علامہ اقبال ایک ایسے ہی متفکر اور شاعر تھے۔

اقبال کی عظمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ انھوں نے امتِ مسلمہ کو اس وقت بیداری اور استقامت کا درس دیا، جب مغربی تمدن عالم گیر ہو رہا تھا اور مسلمان خود اعتمادی سے محروم تھے۔ انھوں نے اس وقت مغرب پر تنقید کی اور فرمایا:

اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو

اقبال کا پیغامِ بیداری تمامتر رعنائیوں کے باوجود کس قدر ہیجان آور اور آزادی پرور تھا۔ جیسے:

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ مارفت بتاراجِ غماں خیز
از نالۂ مرغِ چمن، از بانگِ اذاں خیز
از گرمیٔ ہنگامۂ آتش نفساں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز

علامہ اقبال عصرِ حاضر میں برصغیر اور فارسی زبان ایران وغیرہ کے مسلمانوں کے لیے دراصل اسلام و ایمان، آزادی و حریت اور خود شناسی و خود سازی کی ایک مؤثر آواز ہیں۔ ایران کے شیعاؤں نے ان سالوں میں اسلامی انقلاب برپا کیا اور پیغمبرِ اسلام سے تجدید پیمان کیا۔ وہ استبداد سے نجات پا کر "نہ شرقی نہ غربی" کے شعار کو اپنائے ہوئے ہیں۔ انہیں اقبال کے سرودِ حریت کی قدر و قیمت کا احساس و اندازہ ہے اور وہ اس عالی دماغ مفکر کی قدردانی کو اپنا فرض جانتے ہیں۔ اقبال نے گویا برسوں پہلے اپنی بصیرت سے ایران کے متوقع انقلاب کا اندازہ کر لیا تھا اور فرمایا تھا:

چوں چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما
اے جوانانِ عجم، جانِ من و جانِ شما
می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

آج غلاموں کی زنجیریں توڑنے والا یہ مردِ راہبرِ انقلاب امام خمینی ہے۔ اقبال کی عارفانہ پیش گوئی اب حقیقت بن چکی ہے اور لوگ ملوکانہ زنجیروں سے آزاد ہو چکے ہیں۔ عالمی استعمار کی وہ دیواریں بھی منہدم ہو چکیں جو ایران کے چاروں طرف کھڑی کی جاتی رہی ہیں۔

آج آزاد فضا میں سانس لینے والا ایرانی فکرِ اقبال کے قومی ورثے پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ شاعرِ اسلام کے حالات اور ان کے اشعار اب ہماری درسی کتابوں کا جزو بن چکے ہیں اور ہمارے نژادِ نو ان کے ساتھ ہم خیال ہیں کہ:

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بہ آں ملتے سروکارے ندارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

اور:

بیا ساقی نقاب از رخ برافگن
چکید از چشمِ من خونِ دلِ من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است
نوائے از مقامِ "لاتخف" زن[۱۲]

اقبال ایران کی درسی کتب میں

غلام علی حداد عادل صاحب نے رسماً اس کتابچے کا تعارف نامہ ہی نہیں لکھا، وہ غالباً اس کی تدوین واشاعت کے محرک بھی ہوں گے کیونکہ وہ علامہ اقبال سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مرداد ماہ ۱۳۶۳ ش یعنی اگست ۱۹۸۴ء کے ماہنامہ ’کیہان فرہنگی‘، تہران بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ کسی پاکستانی نے انھیں علامہ مرحوم کی نظم ’طلوعِ اسلام‘ کا آخری بند نقل کرکے دیا جو فارسی میں ہے اور اسے انھوں نے اس تبصرے کے ساتھ نہایت عمدہ طریقے سے مذکورہ مجلّے کے اندرونی آخری صفحے پر شائع کروایا (ص ۴۲):

”ایں غزل سخت باحال و ہوائے انقلابِ اسلامی دم ساز است . . . . .

بیا ساقی نوائے مرغ زار از شاخسار آمد
بہار آمد نگار آمد، نگار آمد قرار آمد
کشید ابرِ بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا
صدائے آبشاراں از فراز کوہسار آمد
سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی
کہ خیلِ نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد
کنار از زاہداں برگیر و بے باکانہ ساغر کش
پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگِ ہزار آمد
بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
دگر شاخِ خلیلؑ از خونِ ما نمناک می گردد
ببازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد
سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد
بیا تا گل بیفشانیم و مَے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم

کتابچے کے اندرونی صفحے پر ”زبورِ عجم“ حصہ دوم کی غزل نمبر ۵۸ خوش خطی سے مزین و مرقوم ملتی ہے۔ یہ وہی غزل ہے جو حکیم الامتؒ کے مزار کی چھت پر بھی کندہ ہے۔ اس غزل کے اشعار شاعرِ اسلام کے سوز و ساز اور عظمتِ انسانی کے مظہر ہیں اور اس کا مقطع ملوکیت زدہ ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں شاہِ ایران نے اپنے پہلے دورۂ پاکستان کے موقع پر

جب مزارِ اقبال پر حاضری دی تو اس مقطع نے انھیں بالخصوص منفعل کیا تھا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے تھے:

دمِ مرا صفتِ بادِ فرودین کردند
گیاہ را ز سرشکم چو یاسمین کردند
نمودِ لالۂ صحرا نشین ز خونابم
چنانکہ بادۂ لعلے بہ ساتگین کردند
بلند بال چنانم کہ بر سپہر برین
ہزار بار مرا نوریان کمین کردند
فروغِ آدمِ خاکی ز تازہ کاریہاست
مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازین کردند
چراغِ خویش برافروختم کہ دستِ کلیم
درین زمانہ نہان زیرِ آستین کردند
درآ بسجدہ و یاری ز خسروان مطلب
کہ روزِ فقر نیاگانِ ما چنین کردند

اگلے صفحے پر حضرتِ علامہ کی تصویر ہے اور اس کے نیچے مثنوی اسرارِ خودی کی تمہید کا یہ شعر:

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشمِ ما کشاد

عصرِ انقلاب کے ایران میں سالِ سوم راہنمائی کی کلاس (یعنی جماعت ہشتم) سے طلبہ کو علامہ اقبال کے احوال و افکار سے آگاہ کروانا شروع کیا جاتا ہے۔ فخر الدین حجازی کئی اسلامی موضوعات پر لکھتے رہے اور ۱۹۷۵ء کے آخر میں ان کی کتاب 'سرودِ اقبال' شائع ہوئی تھی جس کا مقدمہ حضرت علامہ کے احوال و افکار کا ہے اور بعد میں ان کی کتابوں سے ایک انتخاب مندرج کیا گیا ہے۔ راقم الحروف اس مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کروا چکا ہے (سہ ماہی اقبال' لاہور، بابت اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ ص ۱ تا ۴۸)۔ اس مقدمے کا (ذیل میں ترجمہ شدہ) ایک اقتباس زیرِ بحث کلاس کے جملہ طلبہ پڑھتے ہیں:

"...... علامہ محمد اقبال ایک ایسا تابناک ستارہ تھا جس سے غلامی اور استعمار کی عملداری کے تاریک بادل دور ہوئے اور آزادی کا نور نمودار ہوا۔ برِصغیر پاک و ہند چند صدیوں تک دیوِ استعمار کے ہاتھوں دوبارہ اور مشرقی اقوام کی معروف

اقبالؒ ایران کی درسی کتب میں

اقدار جیسے عشق، آزادی اور عرفان، اس سرزمین میں کافور رہیں۔ آخر خدا نے سیالکوٹ کے خطّے سے ۔ ۔ ۔ ۔[۵۴] کوکبِ اقبال کا طلوع فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایسا نیّرِ نور بنا کہ اس کی تابناکیوں سے پورا برِصغیر جگمگا اٹھا، بلکہ اسلامی دنیا اور پوری دنیا کو بھی اس کے نور سے حصہ ملا۔ اقبال کی اصل کشمیر تھی۔ وہاں کے برہمن ان کے اجداد رہے ہیں۔ کشمیر کی بافتہ شال کے تار و پود کی طرح ان کی فکر کے تانے بانے بھی لطیف، محکم اور رنگا رنگ تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال تمام اہم اقدار اور خصوصیات کے حامل تھے۔ مسلمانوں اور عالمِ انسانی کے اچھے ماضی کے قدردان، حال کے تقاضوں سے آگاہ اور مستقبل کے پیغام آور۔ اقبال کو اپنی ہی نہیں، دوسروں کی فکر تھی۔ وہ ایک عظیم اور بامقصد شاعر تھے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ایک راست فکر سیاست دان بھی تھے۔ انھوں نے برصغیر میں انگریزی استعمار کی قوت اور غیرمسلموں کی اکثریت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں پر ایک اسلامی معاشرے کے تشکیل پذیر ہونے کا زوردار مطالبہ کیا اور اس طرح بتکدۂ ہند میں انھوں نے حرمِ پاکستان کی تعمیر میں عملی حصہ لیا۔[۵۵]

اقبال نے کسبِ روزی کی خاطر معلمی اختیار کی اور بعد میں وکالت مگر ہوسِ زر سے وہ بیزار رہے۔ ان کے اہداف و مقاصد سفلی اور پست نہ تھے۔ ان کی سیرت قناعت، بے نیازی، سیر چشمی اور فقر و درویشی کی آئینہ دار رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال قرآن مجید اور تعلیماتِ اسلام کے عاشق ہی نہ تھے، ان کے مفسّر بھی تھے۔ اس طرح انھوں نے اپنی بصیرت سے دوسروں کو بھی مستفید کیا۔ اسی طرح وہ عاشقِ رسولؐ تھے اور مقامِ ختمِ رسالتؐ کے قدردان۔ اہلِ بیتِ رسولؐ سے بھی ان کو بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرات حسنینؓ کی عظمت کے بارے میں انھوں نے ایمان پرور مناقب لکھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

اقبال دنیا بھر کے علوم و فنون کی ایک جامع الاطراف شخصیت تھے۔ برصغیر کے علاوہ انھوں نے انگلستان اور جرمنی میں تعلیم حاصل کی تھی مگر یہ طالب علم ساری عمر "مومنِ خود اور کافرِ افرنگ" ہی رہا۔ وہ افرنگی رنگ میں کیسے رنگ جاتا کیونکہ وہ تو صبغۃ اللہ کے راز بتاتا رہا ہے۔[۵۶] اقبال مغرب کے بابصیرت نقاد ہیں۔ وہ

خذ ما صفا و دع ما کدر

پر مال تھے لہٰذا ان کی تعریف یا تنقیص ہمیشہ معروضی اور حقیقی رہی ہے۔ وہ اردو اور فارسی کے زبردست شاعر ہیں اور اردو نیز انگریزی میں انھوں نے کتابیں اور مقالے بھی لکھے ہیں۔ . . . . اقبال کے موضوعات کئی ہیں جیسے خودسازی، خودشناسی وحدتِ ملّی، کوششِ پیہم اور عظمتِ انسانی۔

. . . . . اقبال کی وفات ۲۱۔اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں ہوئی مگر اپنے افکار اور کارناموں کی بنا پر وہ امر اور جاودانی ہیں۔ کہتے ہیں اپنی وفات سے کچھ قبل انھوں نے اپنی یہ دو بیتیاں پڑھی تھیں:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

آپ نے اپنے آخری وقت میں مسلمانوں کے روشن مستقبل کو اپنی نگاہوں میں مجسم کیا، مسکرائے اور مومنانہ مسرت کے ساتھ، جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست . . . . . "

کلاس نہم کو کلاس اوّل دبیرستان کہیں گے کیونکہ اس سطح پر طلبہ کا میدانِ مطالعہ متعین ہو جاتا ہے (علوم یا فنون)۔ اس جماعت میں ادب و فرہنگ (فنون) کے طلبہ کے لیے استاد مرتضیٰ مطہری (شہید مئی ۱۹۷۹ء) کا تحریر کردہ ذیل کا تعارفِ علامہ اقبال نصاب میں شامل کیا گیا ہے:

". . . . . عصرِ حاضر میں عالمِ عرب سے باہر بھی ایسے مصلح مسلمان پیدا ہوئے جنہیں ہیرو قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسے نامور قہرمانوں میں علامہ محمد اقبال بھی شامل ہیں جن کی شہرت ان کے وطن سے باہر نکل کر عالمگیر ہو چکی ہے۔

علامہ اقبال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغرب کے تمدن و فرہنگ سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود اس کے زبردست نقاد ہے بلکہ وہ مغربی مدنیت

کو مرتبۂ انسانیت سے فروتر بتاتے رہے۔ ان کے نزدیک اسلامی ثقافت ہی حقیقت میں انسانی ثقافت ہے۔ وہ جہاں مغربی علوم و فنون کے حصول کے داعی اور اس کام کے قدردان تھے وہاں وہ تقلیدِ مغرب اور جہانِ غرب کے جملہ "ازموں" سے دُور رہنے کے بھی زبردست نقیب بنے رہے ہیں۔

اقبال کی دوسری خصوصیت شاعرانہ موہبت سے صحیح استفادہ کرنا ہے۔ انھوں نے اس وہبی ملکے سے اسلامی مقاصد کی خاطر استفادہ کیا اور ان شعرا میں شامل ہوئے جن کی کو اکثیؒ نے بھی تعریف کی ہے جیسے کمیت اسدی، حسان بن ثابت انصاری اور دعبل بن علی خزاعی ؒ۔

یہ اقبال کی شاعری کا کمال ہے کہ ان کے اردو اشعار عربی یا فارسی میں منتقل ہو کر بھی اثر انگیزی اور حماسہ آفرینی میں کما کان رہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعری کی قوت اقبال کے ہاں ایک وسیلہ و آلہ رہی ہے، وہ مقصد ہرگز نہ تھی۔ اقبال کی نثر و نظم امتِ مسلمہ کے شاندار ماضی کو خاطر نشین کرتی ہے، حال کے تقاضے سمجھاتی ہے اور بہتر مستقبل کی راہیں دکھاتی ہے اور اسی لیے ہر مسلم معاشرے کا فرض ہے کہ وہ شناخت اقبال کا اہتمام بھی کرے....."

اس تعارف کے بعد اقبال کے جاوید نامہ (فلک عطارد و آنسوئے افلاک) اور پس چہ باید کرد سے حسبِ ذیل اشعار کا متن طلبہ کے مطالعہ کے لیے شاملِ درس کیا گیا ہے:

غربیاں را زیرکی سازِ حیات
شرقیاں را عشق رازِ کائنات

زیرکی از عشق گردد حق شناس
کارِ عشق از زیرکی محکم اساس

عشق چوں با زیرکی همبر شود
نقشبندِ عالمِ دیگر شود

خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیز دہ

طرحِ نو در نہاد کائنات
نیست از تقلید تقویمِ حیات
زندہ دل خلّاقِ اعصار و دہور
جانش از تقلید گردد بے حضور
چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
یک جہانش عصرِ حاضر را بس است
گیر اگر در سینۂ دل معنی رس است
بندۂ مومن ز آیاتِ خداست
ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق
باز روشن می شود ایامِ شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید
شب گزشت و آفتاب آمد پدید
یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد
زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد
گرگے اندر پوستینِ برّۂ !
ہر زماں اندر کمینِ برّۂ !

مشکلاتِ حضرتِ انساں ازوست
آدمیت را غمِ پنہاں ازوست
در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروانِ زندگی بے منزل است
اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو
رشتۂ سود و زیاں در دستِ تست
آبروئے خاوراں در دستِ تست
ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایتِ صدق و صفا را کن بلند
اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملت از جمعیت است
رائے بے قوت ہمہ فکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں

سالِ سوم (ادبی) یعنی کلاسِ یازدہم کے فارسی نصاب میں "پیامِ مشرق" کی پانچ دو بیتیاں (از لالۂ طور) "زبورِ عجم" حصہ دوم کا معروف مستزاد (۱۹) "از خوابِ گراں خیز" اور مثنوی پس چہ باید کرد کے اسی عنوان کا ایک اقتباس جزو درس ہے۔ اصل عنوانات یوں ہیں:

دِل چیست؟

جہاں مشتِ گل و دل حاصلِ اوست
ہمیں یک قطرۂ خوں مشکلِ اوست
نگاہِ ما دو بیں افتاد ورنہ
جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست
جہانِ ما کہ نابود است بودش
زیاں توام ہمی زاید بسودش

کہن را نو کن و طرح دگر ریز
دلِ ما بر نتابد دیر و زودش

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
گِلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و ایں ہنگامہ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش

اگر در مشتِ خاکِ تو نہادند
دلِ صد پارۂ خونابہ بارے
ز ابرِ نو بہاراں گریہ آموز
کہ از اشکِ تو روید لالہ زارے

از خوابِ گراں خیز!

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ ما رفت بتاراجِ غماں خیز
از نالۂ مرغِ چمن، از بانگِ اذاں خیز
از گرمیِ ہنگامۂ آتش نفساں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

خورشید کہ پیرایہ بسیمائے سحر بست
آویزہ بگوشِ سحر از خونِ جگر بست

اقبالؒ ایران کی درسی کتب میں

از دشت و جبل قافلہ ھا رختِ سفر بست
اے چشمِ جہاں بیں ، بہ تماشائے جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں ،خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

خاور ہمہ مانند غبارِ سرِ راہے است
یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرۂ ایں خاک گرہ خوردہ نگاہے است
از ہند و سمرقند و عراق و ہمداں خیز
از خوابِ گراں ،خوابِ گراں ،خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

دریائے تو دریاست کہ آسودہ چو صحرا است
دریائے تو دریاست کہ افزوں نشد و کاست
بیگانۂ آشوب و نہنگ است ، چہ دریاست
از سینۂ چاکش صفتِ موجِ رواں خیز
از خوابِ گراں ،خوابِ گراں ،خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

ایں نکتہ کشائندہ اسرار نہان است
ملک است تنِ خاکی و دیں روحِ روان است
تن زندہ و جاں زندہ ز ربطِ تن و جان است
با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز
از خوابِ گراں ،خوابِ گراں ، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

ناموسِ ازل را تو امینی ، تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی

اے بندۂ خاکی، تُو زمانی تُو زمینی
صہبائے یقیں درکش و از دیر گماں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ
معمارِ حرم، باز بہ تعمیرِ جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

اے اسیرِ رنگ!

اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو
سوز و ساز و درد و داغ از آسیاست
ہم شراب و ہم ایاغ از آسیاست
عشق را ما دلبری آموختیم
شیوۂ آدم گری آموختیم
ہم ہنر ہم دیں ز خاکِ خاور است
رشکِ گردوں خاکِ پاکِ خاور است
دانی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تا کجا در قیدِ زنّارِ فرنگ؟
زخم ازو نشتر ازو، سوزن ازو
ما و جوئے خون و امیدِ رفو

خود بدانی بادشاہی قاهری است
قاهری در عصرِ ما سوداگری است
تختہ دکاں، شریکِ تخت و تاج
از تجارت نفع از شاہی خراج
آں جہانبانی کہ ہم سوداگر است
بر زبانش خیر و اندر دل شر است
گر تو میدانی حسابش را درست
از حریرش نرم تر کرپاس تست
بے نیاز از کارگاہِ او گذر
در زمستاں پوستینِ او مخر
گوهرش تف دار و در لعلش رگ است
مشکِ ایں سوداگر از نافِ سگ است

سالِ چہارم کی تاریخ ادبیات میں علامہ اقبال کا مختصر تعارف ہے جو ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کی کتاب "گنجِ سخن" جلد سوم کے تعارف کا سا ہے:

"..... علامہ محمد اقبال ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے۔ آپ پاکستان کے متفکر شاعر تھے جو برصغیر کے جملہ فارسی گو شعرا پر سبقت لے گئے۔ آپ نے برصغیر کے علاوہ انگلستان اور جرمنی میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے خاص موضوعاتِ مطالعہ فلسفہ و قانون تھے۔ آپ برصغیر کے عظیم معاصر مصلحین کی ردیفِ اول میں شامل ہیں اور پاکستان کے بانیوں میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے افکار کی گہرائی اور قوتِ بیان کی اثر آفرینی دونوں قابلِ داد ہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف میں دینی جذبات، عرفانی احساسات، مشرقیت اور اسلامی فرہنگ و تمدن کے خدوخال سموئے ہوئے ملتے ہیں....."

مذکورہ سال کے نصابِ فارسی میں اقبال کی اکثر فارسی کتابوں سے حسبِ ذیل انتخابات شاملِ مطالعہ کیے گئے ہیں:

قرآن

گر تو میخواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

_____: رموزِ بیخودی

بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

_____: مثنوی مسافر

صد جہاں باقی است در قرآں ہنوز
اندر آیاتش، یکے خود را بسوز
اے مسلماں اندریں دَیرِ کہن
تا کجا باشی بہ بندِ اہرمن؟
تا نداری از محمدؐ رنگ و بُو
از درودِ خود میالا نامِ اُو
تا بہ کے بے غیرتِ دیں زیستن
اے مسلماں مردن است ایں زیستن
عصرِ ما، مارا ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰؐ بیگانہ کرد
مصطفیٰؐ بحراست و موجِ اُو بلند
خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند
یک زماں خود را بہ دریا در فگن
تا روانِ رفتہ باز آید بہ تن
می ندانی عشق و مستی از کجاست
ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰؐ است

✽

مقامِ مصطفیٰؐ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
وقتِ هیجا تیغِ اُو آہن گداز
دیدۂ اُو اشک بار اندر نماز
از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد
روزِ محشر اعتبارِ ماست او
در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او
لطف و قہرِ او سراپا رحمتے
آں بہ یاراں، ایں بہ اعدا رحمتے
آنکہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغام "لاتثریب" داد
از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما
مستِ چشمِ ساقیٔ بطحاؐ ستیم
در جہاں مثلِ مے و میناستیم
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت
آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

مثنوی اسرارِ خودی:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزُو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است

——— : جاویدنامہ، "فلکِ مشتری"

میلادِ آدم

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

——— : پیامِ مشرق: افکار

اے جوانانِ عجم

چوں چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما
اے جوانانِ عجم، جانِ من و جانِ شما
غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما
فکرِ رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق
پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشانِ شما

می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما
حلقہ گردِ من زنید اے پیکرانِ آب و گل
آتشے در سینہ دارم از نیاکانِ شما

تقلید از غرب

شرق را از خود برد تقلیدِ غرب
باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ
مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ
غربیاں را شیوہ ہائے ساحری است
تکیہ جز بر خویشتن کردن کافری است
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ
اے بہ تقلیدش اسیر، آزاد شو
دامنِ قرآں بگیر، آزاد شو
چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
یک جہانش عصرِ حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
زندہ ای؟ مشتاق شو، خلاق شو
ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو

بندۂ آزاد را آید گراں
زیستن اندر جہانِ دیگراں
مردِ حق ، بُرندہ چوں شمشیر باش
خود جہانِ خویش را تقدیر باش

سالِ چہارم / جماعت دہم کے فارسی ادب کے نصاب میں ایک تو مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کے تیرہ ابیات "مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو" کے معرعِ اقبال کے تحت مندرج ملتے ہیں۔ ان اشعار میں سے بعض اوپر دیگر کلاسوں کے نصاب میں نقل ہو چکے مگر بھرپور تاثر دیکھنے کی خاطر ان کا مکمل نقل ہونا مفید رہے گا:

آنچہ از خاکِ تو رُست اے مردِ حُر
آں فروش و آں بپوش و آں بخور
آں جہاں بیناں کہ خود را دیدہ اند
خود گلیمِ خویش را بافیدہ اند
اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں
آں یدِ بیضا بر آر از آستیں
خیز و از کارِ امم بکشا گرہ
نشۂ افرنگ را از سر بنہ
نقشے از جمعیتِ خاور فگن
و ن خود را ز دست اہرمن
اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو
رشتۂ سود و زیاں در دستِ تُست
آبروئے خاوراں در دستِ تُست
اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملت از جمعیت است
وائی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تا کجا در بند زنارِ فرنگ؟

زخم او، نشترازو، سوزن ازو

ما و جوئے خون و امیدِ رفو

گر تو می دانی حسابش را درست

از حریرش نرم تر کر پاسِ تست

بوریائے خود بہ قالینش مدہ

بیذق خود را بہ فرزینش مدہ

ہوشمندے از خُمِ او مے نخورد

ہر کہ خورد، اندر ہمیں میخانہ مرد

یہ اشعار اپنے مخالفِ مغرب لہجے کی بنا پر آج کل ایران کے بچے بچے کے ورد زبان ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ

مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو

اقبال مسلمانوں کی ان کے نفوس اور اپنے دین سے بدظنی اور بے اطمینانی کو ان کے زوال کا بڑا موجب جانتے تھے۔ مثلاً فرمایا:

آہ زان قومے کہ از پا بر فتاد

میر و سلطاں زاد و درویشے نزاد

داستانِ او مپرس از من کہ من

چوں بگویم آنچہ ناید در سخن!

لاجرم از قوتِ دیں بدظن است

کاروانِ خویش را خود رہزن است

: پس چہ باید کرد

دوسرا اشالِ نصاب اقتباس "ارمغانِ حجاز" کی سات بیتیوں کا ہے۔ ان کا عنوان ایک رباعی کی مناسبت سے "نہ شرقی نہ غربی" رکھا گیا ہے۔ یہ بھی ایرانیوں کے لیے ایک مرغوب ترکیب ہے کیونکہ کسی سیاسی بلاک سے متعلق نہیں ہونا چاہتے۔ دراصل شرق و غرب سب خدا کا ہے اور اقبال اسی ہمہ گیریت اور آفاقیت کو بار بار یاد دلاتے رہے ہیں جیسے:

ے

چیست دیں؟ برخاستن از روئے خاک
تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک
می نگنجد آنکہ گفت اللہ ھو
در حدودِ ایں نظامِ چار سُو
گرچہ از مشرق بر آید آفتاب
با تجلیہائے شوخ و بے حجاب
در تب و تاب است از سوزِ دروں
تا ز قیدِ شرق و غرب آید بروں
بر دمد از مشرقِ خود جلوہ مست
تا ہمہ آفاق را آرد بدست
فطرتش از مشرق و مغرب بری است
گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

______ : جاوید نامہ

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند
نہ چینی و عربی وہ نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاق

______ : بالِ جبریل

بہرطور، یہ رباعیات "ارمغانِ حجاز" کے مختلف حصوں سے ماخوذ ہیں مگر انھیں معنوی طور پر مربوط کیا گیا ہے:

مسلمانے کہ داند رمزِ دیں را
نساید پیشِ غیر اللہ جبیں را
اگر گردوں بکامِ او نگردد
بکامِ خود بگرداند زمیں را

نہنگے بچۂ خود را چہ خوش گفت
بہ دین ما حرام آمد کرانہ
بہ موج آویز و از ساحل بپرہیز
ہمہ دریاست ما را آشیانہ

ادب پیرایۂ ناداں و داناست
خوش آنکو از ادب خود را بیاراست
ندارم آں مسلماں زادہ را دوست
کہ در دانش فزود و در ادب کاست

ز شعر آں پیشِ خود آئینہ آویز
دگرگوں گشتۂ ، از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خود را
قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بہ دستِ خویش بنوشت
بہ آں ملتے سروکارے ندارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

بیا ساقی ، نقاب از رخ بر افگن
چکید از چشمِ من خونِ دلِ من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است
نوائے از مقامِ 'لاتخف' زن

ترا اندر بیابانے مقام است
کہ شاخش چوں سحر آئینہ فام است
بہ ہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر
طناب از دیگراں جُستن حرام است

ایران کے نصاب میں اقبال کے احوال وافکار واشعار کی یہ شمولیت لائقِ تبریک وتحسین ہے مگر یہ امر خود ہمارے لیے لمحۂ فکریہ فراہم کرتا ہے کہ آیا ہمارے ہاں اقبال کے احوال وافکار واشعار بقدرِ کفایت شاملِ نصاب ہیں یا ہم ابھی معشوق ناشناس عاشق ہی بنے ہوئے ہیں :

آنکہ دل از سینۂ او خوں کردہ ایم
آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
از غمِ ما کن غمِ او را قیاس
آہ از آں معشوقِ عاشق ناشناس

: جاوید نامہ

حواشی

۱۔ زبورِ عجم، حصہ اوّل۔ غزل ۲
۲۔ اقبال کے افلاکی نام زندہ رود (جاوید نامہ) کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔
۳۔ اقبال نے مثنوی رموزِ بے خودی کی تمہید میں فرمایا:

طرحِ عشق انداز اندر جانِ خویش
تازہ کن با مصطفیٰ پیمانِ خویش

۴۔ لاتخف (سورہ طٰہٰ) اور للہ المشرق والمغرب (سورہ البقرہ) کے کلمات یاد دلا کر علامہ اقبال مسلمانوں کو بے باک کرنا چاہتے ہیں۔ نیز انھیں ان کا عالی مقام یاد دلاتے ہیں۔
۵۔ اس وقت تک اقبال کی صحیح تاریخ ولادت یعنی ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء معروف نہ تھی۔
۶۔
چو موج از بحرِ خود بالیدہ ام من
بخود مثلِ گہر پیچیدہ ام من
ازاں نمرود با من سرگراں است
بہ تعمیرِ حرم کوشیدہ ام من

: ارمغانِ حجاز

۷۔ اشارہ ہے:
اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو

۸۔ اشارہ ہے:
گوہرِ دریائے آں سفتہ ام
شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام

۹۔ یعنی معاصر عرب عالم اور مفکر عبدالرحمٰن الکواکبی (وفات ۱۹۰۲ء)
۱۰۔ حضرت الولید حسان بن ثابت انصاریؓ (وفات ۵۴ھ) اور ابو مستہل کمیت بن زید اسدی کوفی (وفات ۱۲۶ھ)
۱۱۔ انصاف سے بتایا جائے کہ برِ صغیر کے علاوہ دیگر ممالک کے فارسی شعراء میں سے اقبال کس سے پیچھے ہیں؟

The Quarterly Persian-Urdu Research Magazine of the Office of the Cultural Counsellor of the Islamic Republic of Iran, Islamabad Publishes articles on:—

* the latest trends in Persian language and literature
* the progress of Research on Persian literature and Iranology in Indo-Pak sub-continent
* Critical Appreciation of books on Persian literature published in Iran and the Indo-Pak sub-continent
* Common Cultural Values between Iran and the Indo-Pak sub-continent

Office of the Cultural Counsell or of the Islamic Republic of Iran, House No. 25, St. No. 27 F-6/2 Islamabad, Pakistan.